محمد سعید شیخ ☆

فتح الباری لابن رجب حنبلی

ایک تعارفی جائزہ

قرآن مجید کے بعد صحیح ترین کتاب کا شرف اگر کسی کتاب کو حاصل ہے تو وہ صحیح بخاری ہے، اس کی اہمیت ہر دور کے مفسرین و محدثین کرام، فقہاء عظام، متکلمین اور محققین کے ہاں مسلم رہی ہے۔ علمائے کرام نے اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ اس کی خدمت میں صرف کر دیا، کسی نے تراجم بخاری پر قلم اٹھایا تو کسی کے حصے میں اس کی تلخیص واختصار آیا۔ بعض محققین نے اگر اس کی تعلیقات پر کام کیا تو بعض نے اس کے رجال پر بحث کی۔ الغرض صحیح بخاری پر کئی جہتوں سے کام ہوا، اور سب سے بڑھ کر اس کے شروح وحواشی لکھے گئے۔ ہر دور کے اربابِ علم وقلم نے بڑے خلوص کے ساتھ حدیث کی خدمت کے جذبے سے ''صحیح بخاری'' کی شروح لکھیں۔

راقم کے نزدیک ''صحیح بخاری'' کی سب سے پہلی شرح امام کبیر سلیمان الخطابی نے ''أعلام الحدیث'' لکھی۔ پھر ان کے بعد دیگر شراح مثلاً ابن بطال، ابن ھُبیرۃ، نووی، کرمانی، ابن کثیر، ابن رجب، ابن حجر عسقلانی، قسطلانی اور عینی وغیرہ نے شروح لکھیں، یہاں تک کہ برصغیر کے علماء کرام بھی اس خدمت حدیث میں پیش پیش رہے۔ علامہ انور شاہ کاشمیریؒ کی فیض الباری کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔

ہر شرح دوسری شرح سے اپنی بعض امتیازی خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہوتی ہے۔ آیئے ہم ابن رجب حنبلی کی فتح الباری کے امتیازی پہلوؤں کا مختصر تذکرہ کرتے ہیں، جس سے آپ کے علمی

☆ ریسرچ اسسٹنٹ، علماء اکیڈمی اوقاف پنجاب۔

مقام ومرتبے کا اندازہ ہوگا، اوّلاً ابن رجب کے مختصر احوال نقل کرتے ہیں۔

حیات وخدمات حافظ ابن رجب

نام ونسب

آپ کا نام عبد الرحمٰن، کنیت ابو الفرج اور لقب زین الدین ہے۔ آپ السّلامی، بغدادی پھر دمشقی کہلاتے ہیں(۱)۔

آپ کا سلسلۂ نسب یوں ہے:

عبد الرحمٰن بن احمد بن رجب بن الحسن بن محمد بن مسعود۔ اور آپ ابن رجب کے نام سے مشہور ہیں(۲)۔

پیدائش

آپ کی پیدائش کی بابت تذکرہ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثر تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ آپ کی پیدائش بغداد میں ۷۳۶ھ میں ہوئی(۳)۔

حافظ ابن حجر کی اس بارے میں دو آرا ہیں، انباء الغمر میں وہ ۷۳۶ھ ہی لکھتے ہیں(۴) جبکہ آپ الدرر الکامنۃ میں یوں رقم طراز ہیں:

وولد ببغداد فی ربیع الأول سنة ۷۰۶ھ(۵)۔

''آپ ربیع الاول ۷۰۶ھ میں بغداد میں پیدا ہوئے''۔

آپ بچپن ہی میں ۷۴۴ھ میں اپنے والد محترم کے ساتھ بغداد سے دمشق آگئے تھے(۶) اور یہیں پرورش پائی(۷)۔

اساتذہ

آپ کو ابتدا ہی سے تحصیلِ علم کا شوق تھا۔ آپ نے اپنے وقت کے بہترین اساتذہ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا۔ دمشق ہی میں محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن الخبّاز اور ابراہیم بن داؤد العطار سے حدیث کا سماع کیا۔ مصر میں ابو الفتح المیدومی (م:۷۵۴ھ) اور ابو الحزم القلانسی وغیرہ

سے حدیث کا سماع کیا(۸)۔ قاہرہ میں ابن الملوک (م:۷۵۶ھ) کسب فیض کیا(۹)۔ آپ نے حصول علم کے لیے مکہ مکرمہ کا بھی سفر کیا(۱۰)۔

علمی مقام ومرتبہ

آپ نے اپنی زندگی کو حصول علم کے لیے وقف کر دیا تھا، کثرت سماع حدیث اور علم میں ایسی مشغولیت اختیار کی کہ فنون حدیث یعنی اسماء الرجال، علل، طرق حدیث اور معانی کی اطلاع پر یکتائے زمانہ ہو گئے(۱۱)۔

حافظ ابن رجب متقدمین کے اقوال پر وسیع معلومات رکھتے تھے، اس وسعتِ اطلاع کی وجہ سے آپ کی شرح دیگر شروح سے ممتاز ہو جاتی ہے۔ آپ کو علمی دنیا میں محدث، حافظ، فقیہ، اصولی، مؤرخ جیسے القابات سے یاد کیا جاتا ہے(۱۲)۔

ابن حجی لکھتے ہیں:

''آپ نے فن حدیث میں مہارت حاصل کی، عللِ حدیث اور تتبعِ طرق کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ مشہور ہو گئے۔ آپ لوگوں سے زیادہ میل جول رکھتے تھے نہ کسی کے پاس آپ کا آنا جانا تھا''(۱۳)۔

تالیفات

آپ نے مختلف موضوعات پر کوئی دو درجن کتب تصنیف کی ہیں۔ بعض گردشِ ایام کی وجہ سے اب ناپید ہو چکی ہیں، بعض طبع ہو کر منصۂ شہود پر آ چکی ہیں، ذیل میں ان کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے:

۱۔**شرح جامع الترمذی**

۲۔**جامع العلوم والحکم**۔ یہ ''شرح أربعین'' کے نام سے مشہور ہے اور ایک جلد میں ہے(۱۴)۔

۳۔**فضائل الشام**۔

۴۔**الاستخراج لأحکام الخراج**۔

۵۔**القواعد الفقهية** (۱۶) اس کا نام صاحب معجم المؤلفین نے **تقریر القواعد**

وتحریر الفوائد فی الفقه لکھا ہے(۱۷)۔

۶۔لطائف المعارف فی المواعظ(۱۸) یہ وظائف ایام پر ہے۔

۷۔ذیل طبقات الحنابلة

۸۔استنشاق نسیم الأنس من نفحات ریاض القدس(۱۹)۔

۹۔الاقتباس من مشکاة وصیة النبی صلی اللّٰه علیه وسلم لابن عباس

۱۰۔أهوال القبور

۱۱۔کف الکربة فی وصف حال أهل الغربة

۱۲۔رسالة فی شرح حدیث "بدأ الإسلام غریباً"

۱۳۔التوحید۔

۱۴۔رسالة فی معنیٰ العلم(۲۰)۔

۱۵۔فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، یہ صحیح بخاری کی نامکمل شرح ہے۔ ابھی آپ کتاب الجنائز ہی پر پہنچے تھے کہ آپ کا وقت موعود آ گیا(۲۱) اور یہ عظیم شرح اپنی تکمیل کو نہ پہنچ سکی، طارق بن عوض اللہ بن محمد کی تحقیق کے ساتھ چھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ ساتویں جلد فہارس پر مشتمل ہے۔ جنہیں ابو محمد عبدالرحمٰن فودہ نے بڑی محنت اور جاں فشانی کے ساتھ مرتب کیا ہے۔

حافظ ابن حجر(م:۸۵۲ھ) بھی ابن رجب کی اس شرح سے واقف تھے، انہوں نے اپنی کتاب ''فتح الباری'' میں دو مقامات پر ان سے نقل بھی کیا ہے(۲۲)، اس کے باوجود حافظ سخاوی کہتے ہیں کہ ابن حجر اس سے واقف نہ تھے(۲۳)۔

زہد و تقویٰ

آپ صاحب عبادت اور تہجد گزار تھے(۲۴)۔

مسلک و مشرب

آپ حنبلی مکتب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ مقالات ابن تیمیہ کے خلاف فتویٰ دینے کی بنا آپ کو انتقام کا نشانہ بنایا گیا، ابن تیمیہ کے پیروکار آپ سے متنفر ہو گئے۔ پھر آپ نے اپنے فتوے

سے رجوع کرلیا اور آخر عمر میں آپ نے فتویٰ دینا چھوڑ دیا تھا (۲۵)۔

وفات

تاریخ پیدائش کی طرح ابن رجب کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے۔ بالخصوص اس میں بھی حافظ ابن حجر کی دو آرا ہیں۔

صاحب معجم المؤلفین کے نزدیک آپ کی وفات ۴ رمضان المبارک ۷۹۴ھ میں ہوئی۔ اور آپ باب الصغیر کے پاس مدفون ہیں (۲۶)۔

حافظ ابن حجر "انباء الغمر" میں رمضان المبارک میں وفات بتاتے ہیں (۲۷)۔ جبکہ الدرر الکامنۃ میں رجب ۷۹۵ھ لکھتے ہیں (۲۸)۔ اس قول میں امام شوکانی بھی آپ سے متفق ہیں (۲۹)۔

حافظ ابن رجب کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ایک دن آپ گورکن کے پاس آئے اور زمین کے ایک ٹکڑے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس جگہ پر میری قبر کھوددو۔ گورکن کہتا ہے:

> میں نے ان کے لیے قبر کھود دی، آپ اس میں اترے، اس کو پسند کیا اور اس میں لیٹے، کہا: اچھی بنائی ہے۔ کچھ عرصے بعد آپ کا انتقال ہوگیا اور اس میں ہی مدفون ہوئے (۳۰)۔

فتح الباری۔ منہج و خصوصیات

ا۔ مختصر شرح

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ ایک مختصر شرح ہے۔ حافظ ابن رجب نہ تو حدیث کے ہر ہر لفظ کی شرح کرتے ہیں اور نہ ہی ہر ہر راوی پر بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ آپ کا اسلوب انتہائی سادہ اور عام فہم ہے۔ مبتدی بھی آپ کی شرح سے بھرپور استفادہ کرسکتا ہے۔ آپ گنجلک اور طویل مباحث سے اجتناب کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اگر کہیں ضرورت محسوس کرتے ہیں تو وہاں طویل مباحث بھی ذکر کرتے ہیں۔

۲۔تاریخی معلومات

حافظ ابن رجب حنبلیؒ بعض مقامات پر قارئین کے لیے بڑی دلچسپ اور مفید تاریخی معلومات بھی مہیا کرتے ہیں۔مثلاً ''منبر'' کے متعلق لکھتے ہیں:

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مکہ میں منبر نہیں ہوا کرتا تھا''۔

ازرقی نے اپنی کتاب میں اپنے دادا سے عبدالرحمٰن بن حسن عن اُبیہ کے طریق سے نقل کیا ہے:

سب سے پہلے مکہ مکرمہ میں جس شخص نے منبر پر خطبہ دیا وہ حضرت معاویہ بن ابی سفیان ہیں، آپ اپنے زمانۂ خلافت میں حج کے موقع پر شام سے اسے لائے۔منبر کے تین درجے تھے۔اس سے قبل خلفاء اور گورنرز اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر جمعہ کے دن خطبہ دیا کرتے تھے(۳۱)۔

۳۔فقہی شرح

حافظ رحمۃ اللہ علیہ جب بھی کسی حدیث کی شرح کرتے ہیں تو اختصار کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔مگر جن احادیث سے فقہی مسائل کا استنباط ہوتا ہو وہاں قدرے تفصیل سے بحث کرتے ہیں، بالخصوص ایسے مقامات جہاں فقہائے کرام میں اختلاف ہو، وہاں ابن رجب تمام مسالک کے اقوال نقل کرتے ہیں اور اقوال کے ساتھ ان کا طرز استدلال اور دلیل بھی نقل کرتے ہیں۔ آخر میں اپنا مؤقف بھی بیان کرتے ہیں۔چونکہ آپ کا تعلق حنبلی مکتب فکر سے ہے اس لیے اپنے مسلک کو دلائل سے ترجیح دیتے ہیں۔تیمم کے باب میں اس کی تفصیل ملاحظہ کی جاسکتی ہے(۳۲)۔

۴۔لغوی مباحث

ابن رجب حنبلیؒ اپنی شرح میں لغوی مباحث کثرت سے ذکر کرتے ہیں، کسی حدیث میں اگر کوئی غریب لفظ یا ایسا لفظ آجاتا ہے جس کی وہ لغوی بحث کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو وہ اس کی لغوی بحث کرتے ہیں۔ہم اس کو چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

i۔بقیع بطحان

امام بخاریؒ نے کتاب مواقیت الصلوٰۃ میں ایک باب بعنوان ''باب فضل

العشاء'' قائم کیا ہے، جس کے تحت آپ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔ دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں اور میرے ساتھی ''بقیع بطحان'' میں قیام پذیر تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ منورہ میں تھے۔ ہم میں سے ایک شخص باری باری عشاء کی نماز کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا، ایک دن ہم سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ اپنے کسی کام میں مصروف تھے، نصف رات گزر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ نماز سے فراغت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا:

''خوش ہو جاؤ'' کیونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان ہے کہ تمہارے سوا اس وقت کوئی آدمی نماز نہیں پڑھ رہا'' (۳۳)۔

اس حدیث میں حضرت ابوموسیٰ سے جو الفاظ مروی ہیں وہ اس طرح سے ہیں:

كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِيْنَ قَدِمُوْا مَعِيَ فِي السَّفِيْنَةِ نُزُوْلًا فِي بَقِيْعِ بُطْحَانَ (۳۴)

ابن رجب حنبلیؒ ''بقیع بطحان'' کی تشریح میں رقم طراز ہیں:

''بقیع'' لغت میں اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں مختلف قسم کے درخت ہوں۔

''بطحان'' یہ مدینہ منورہ کی تین مشہور وادیوں میں سے ایک ہے، وہ تین مشہور وادیاں بطحان، عقیق، اور قناۃ ہیں۔

''بطحان'' کو محدثین با کے ضمے اور طا کے سکون کے ساتھ یعنی ''بُطْحان'' کہتے ہیں۔ بعض اس کو با کے فتح کے ساتھ یعنی ''بَطْحان'' بھی پڑھتے ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک یہاں باء کا فتحہ اور طا کا کسرہ یعنی ''بَطِحان'' ہے۔ اور اس کے علاوہ کسی اور طریق پر پڑھنا جائز نہیں، اس بات کا ذکر صاحب معجم البلدان نے کیا ہے'' (۳۵)۔

ii۔ خمیس اور جیش

امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں کتاب الأذان میں ایک باب بعنوان ''باب ما یُحْقَنُ

بالأذان من الدماء ''(اذان سن کر قتال وخوں ریزی بند کرنا) قائم کیا ہے۔اس باب کے تحت ایک حدیث ذکر کی ہے جس میں اہل اسلام کی اہل خیبر پر لشکر کشی کا ذکر ہے۔خیبر والوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے:

مُحَمَّدٌ وَاللّٰهِ مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ (۳۶)

ابن رجب حنبلی لکھتے ہیں:

((مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ)) میں دو روایتیں ہیں۔ایک تو یہی ہے اور دوسری ((محمد والجیش)) کی ہے۔دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

جیش (لشکر) کو خمیس اس لیے کہتے ہیں کہ یہ (درج ذیل) پانچ حصوں پر مشتمل ہوتا ہے:

۱۔مقدمة (لشکر کا اگلا دستہ)

۲۔ساقة (لشکر کا سب سے پیچھے رہنے والا دستہ)

۳۔میمنة (دائیں جانب والا دستہ)

۴۔میسرة (بائیں جانب والا دستہ)

۵۔قلب (لشکر کے درمیان والا دستہ) (۳۷)

۵۔مآخذ کا ذکر

حافظ علیہ الرحمۃ جس زمانے میں ''صحیح بخاری'' کی یہ شرح تالیف فرما رہے تھے،اس زمانے میں اس طرح حوالہ دینے کا طریق نہ تھا جو آج کے زمانے میں ہے جسے جدید منہج التحقیق سے تعبیر کیا جاتا ہے۔البتہ اس زمانہ میں جب کوئی مصنف اپنے ہم عصروں یا متقدمین کی کتب سے اقتباس نقل کرتا تو کہتا کہ قال فلان فی کتابه یا صرف قال فلان کہتا۔علمی دیانت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مصنف اپنے مآخذ ومراجع کا ذکر کرے۔

ابن رجب حنبلیؒ جب کبھی اپنے کسی پیش رو محقق کا قول یا کسی کتاب سے اقتباس نقل کرتے ہیں تو اس کا ذکر یا اس کا حوالہ ضرور دیتے ہیں۔خصوصیت کے ساتھ آپ نے اس بات کا اہتمام کیا ہے۔ اگر صرف ابن رجب کے مآخذ ومراجع پر تحقیق کی جائے تو ایک طویل کتابیات تیار ہو جائے

گی، جس سے متقدمین کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ کتب کا پتہ چلے گا اور بعض ایسی نادر کتب کے بارے میں بھی معلومات فراہم ہوں گی جو اب مرورِ ایام کی وجہ سے ناپید ہو چکی ہیں۔

۶۔ ''صحیح بخاری'' میں مذکور احادیث کی دیگر طرق سے تخریج

ابن رجب حنبلیؒ کی یہ عادت ہے کہ جب وہ صحیح بخاری کی کسی حدیث پر بحث کرتے ہیں تو وہ حدیث بخاری کے طریق کے علاوہ دیگر جتنے طرق سے مروی ہوتی ہے ان طرق کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اس سے ایک فائدہ تو متعدد طرق پر مطلع ہونا ہے اور دوسرا فائدہ یہ حاصل ہوتا ہے کہ روایت میں جو لفظی اختلاف ہوتا ہے وہ بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ اس طرح ایک حدیث پورے سیاق وسباق کے ساتھ واضح ہو جاتی ہے۔ اس سے حافظ ابن رجب حنبلیؒ کے وسعت مطالعہ اور جلالت شان کا پتہ چلتا ہے۔ ہم اس کو ایک مثال سے واضح کرتے ہیں:

امام بخاریؒ نے کتاب الایمان میں **باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده** کے تحت حضرت عبداللہ بن عمروؓ سے مروی حدیث ''**اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِن لِّسَانِهِ وَيَدِهِ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ**'' (۳۸) ذکر کی ہے۔

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ امام مسلمؒ نے بھی اس کی تخریج کی ہے۔ سند نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ اس کے الفاظ یہ ہیں:

> "**سمع عبد اللّٰه بن عمرو يقول: إِنَّ رَجُلًا سَأَلَ النَّبِيَّ صلي الله عليه وسلم: أَيُّ الْمُسْلِمِيْنَ خَيْرٌ؟ قَالَ: "مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ"**(۳۹).
>
> ''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کون سے مسلمان بہتر ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جن کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں''۔

حافظ ابن رجب لکھتے ہیں کہ ان الفاظ میں اور امام بخاریؒ کے الفاظ میں اختلاف ہے (۴۰)۔
پھر مزید لکھتے ہیں:

اس حدیث کے مشابہ ایک اور حدیث بھی ہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم نے خطبہ ارشاد فرمایا، اور لوگوں کی جان، مال، عزت و آبرو کی حرمت بیان کرنے کے بعد فرمایا:

"سأُخبر كم مَنِ المسلمُ: من سلم المسلمون من لسانه ويده، والمؤمن من أمنه الناس على أموالهم وأنفسهم".

اس کی تخریج ابن حبان نے فضالہ بن عبید کی حدیث سے کی ہے (۴۱)۔

اس طرح مسند امام احمد بن حنبل میں بھی یہ حدیث مروی ہے جس کے الفاظ ہیں:

"قال رجل: يارسول الله صلى الله عليه وسلم! ما الإسلام؟ قال: "أن تُسلِمَ قلبک لله وأن يَسْلَمَ المسلمونَ من لسانک ويدک" (۴۲).

پھر مسند امام بن حنبل ہی سے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کے الفاظ اس سے مختلف ہیں (۴۳)۔

درج بالا بحث سے حافظ ابن رجب کی وسعتِ معلومات اور جلالتِ شان کا پتہ چلتا ہے کہ وہ صحیح بخاری کی کسی حدیث کی تشریح سے قبل یہ ضروری خیال کرتے ہیں کہ سب سے پہلے اس کے طرق کو جمع کیا جائے اور اس لیے بھی کہ حدیث، حدیث کے بعض حصے کی تفسیر کرتی ہے۔

۷۔ ''رجال'' پر بحث

حافظ ابن رجب رجالِ حدیث پر بڑی کثرت سے بحث کرتے ہیں اور راوی کی توثیق یا تضعیف کرتے ہوئے ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال بھی اپنی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ اس کو ہم چند مثالوں سے واضح کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حافظ ابن رجب کی رجال کے احوال پر کتنی گہری نظر تھی۔

الف: اسماعیل بن یحیٰی

اسماعیل بن یحیٰی کے متعلق لکھتے ہیں کہ ضعیف جدا یعنی وہ (حدیث کے معاملے میں) بہت زیادہ ضعیف ہے، پھر اسماعیلی کا قول نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: حمید بن سعد مجہول ہے اور اسماعیل بن یحیٰی کی احادیث موضوع ہیں (۴۴)۔

ب: اشعث

اس کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یہ ابن عبدالمالک الحمرانی ہیں اور ثقہ ہیں (۴۵)۔

ج: حنظلہ السدوسی

اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہ منکر حدیث ہے، ابن معین اور نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے(۴۶)۔

حافظ ابن رجب نے رجالِ حدیث پر بڑی عالمانہ اور ناقدانہ جرح وتعدیل کی ہے۔ اسی طرح اگر کسی سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور وہاں اس کے نام کی تعیین کی ضرورت ہو تو اس کا نام بھی ذکر کردیتے ہیں۔ ہاں اگر وہ راوی اس کنیت سے مشہور ہو اور کسی تعیین کی ضرورت نہ ہو تو وہاں ایسا نہیں کرتے۔ مثلاً ابوالمعلی کے بارے میں کہتے ہیں:

وہ یحییٰ بن میمون کوفی ہے، ثقہ ہے اور مشہور ہے (۴۷)۔

اسی طرح ابومعشر کے بارے میں لکھتے ہیں:

هو نجيح السُّدى ضعيف الحديث جداً وتكلم فيه(۴۸).

"وہ نجیح السدی ہے، حدیث میں بہت ضعیف ہے اور اس پر کلام کیا گیا ہے"۔

۸۔ امام بخاری کی سند پر تنبیہ

امام بخاریؒ کتاب الصلوٰۃ میں **باب قول الله عزوجل ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ﴾** کے تحت تین احادیث نقل کی ہیں۔ ان میں سے آخری حدیث حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔ اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا إسحاق بن نصر: حدثنا عبد الرزاق: انبأنا ابن جريج، عن عطاء، قال: سمعت ابنَ عباس قال(۴۹).

اس سند پر حافظ ابن رجب اس طرح تبصرہ فرماتے ہیں:

اسی طرح امام بخاری نے اسحاق بن نصر عن عبدالرزاق کے طریق سے تخریج کی ہے۔

عبدالرزاق کے تمام شاگردوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ جیسے امام احمد بن حنبل اور اسحاق بن راھویہ، انہوں نے حضرت ابن عباسؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک واسطہ ''اسامہ بن زید'' کا نقل کیا ہے۔

اسی طرح ابن جریج کے شاگردوں نے ان سے روایت کیا ہے۔ ان میں سے محمد بن بکر البُرسَانی، ابوعاصم اور یحیٰی بن سعید وغیرہ۔

اس طرح امام بخاری کی سند سے ''اسامہ بن زید'' کا ذکر ساقط ہوگیا۔ اور اس پر اسماعیلی اور بیہقی وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔

ھَمّام نے اس کو عطاء عن ابن عباس کے طریق سے نقل کیا اور اس میں بھی ''اسامہ'' کا ذکر نہیں ہے، اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباس اس کو کبھی مرسل بیان کرتے تھے اور کبھی اس کو مسند بیان کرتے تھے۔ اسی طرح امام بخاری نے اس حدیث کی تخریج کتاب الحج (۵۰) میں عکرمۃ عن ابن عباس کے طریق سے کی ہے، مگر عبدالرزاق عن ابن جریج کے طریق سے اس میں اسامہ کا ذکر ہے (۵۱)۔

۹۔ فقہائے کرام کے مابین اختلاف کے اسباب

اکثر تذکرہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حافظ علیہ الرحمۃ محدث ہونے کے ساتھ فقیہ بھی تھے۔ فتح الباری میں جا بہ جا نادر اور دقیق فقہی مباحث اس کا بین ثبوت ہیں۔ فروعی مسائل میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے دور سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔ اس کا اثر یقیناً بعد کے آنے والے ادوار پر بھی پڑا۔ جوں جوں امت عہد نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے دور ہوتی چلی گئی اختلاف کثرت کے ساتھ پھیلتا چلا گیا۔ مختلف مکاتب فکر کا وجود میں آنا ایک فطری امر تھا۔ علمائے امت اور فقہائے کرام کے مابین اختلاف کے اسباب کیا ہیں؟ ان اسباب کو حافظ علیہ الرحمۃ کچھ اس طرح گنواتے ہیں:

نمبر ا:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک نص (بعض علماء پر) مخفی ہوتی ہے، اس کو قلیل تعداد میں افراد نقل کرتے ہیں، اس لیے وہ تمام ارباب علم و تحقیق تک نہیں پہنچ پاتی۔

نمبر۲:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک معاملے میں دو احادیث منقول ہوتی ہیں۔ ایک حلت کا تقاضا کرتی ہے تو دوسری حرمت کا۔ ایک جماعت کے پاس ایک حدیث پہنچتی ہے تو دوسری جماعت کے پاس دوسری۔ ہر جماعت اپنی اپنی حدیث سے استدلال وتمسک کرتی ہے (چنانچہ وہ اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں) یا ہر جماعت کے پاس دونوں احادیث پہنچتی تو ہیں مگر انہیں تاریخ کا پتہ نہیں چلتا کہ اس میں سے ناسخ کونسی ہے اور منسوخ کونسی ہے؟ اس لیے وہ توقف کرتے ہیں۔

نمبر۳:

کسی چیز کے بارے میں صریح نص موجود نہیں ہوتی۔ علمائے کرام عموم یا مفہوم سے یا قیاس سے کام لیتے ہوئے فیصلہ کرتے ہیں۔ ان علمائے کرام کی قوت فہم میں بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے، اس لیے وہ اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں۔

نمبر۴:

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کسی چیز کے بارے میں امر یا نہی موجود ہوتی ہے۔ علماء کے درمیان (قرینے کے نہ ہونے کی صورت میں) اس بات پر اختلاف ہو جاتا ہے کہ اس امر کو وجوب پر محمول کریں یا ندب پر۔ اسی طرح اس نہی کو حرمت پر محمول کریں یا تنزیہ پر (۵۲)۔

ابن رجب ان اسبابِ اختلاف کو نقل کرنے کے بعد امید کا دیا بھی روشن کرتے ہیں اور اس بات کا یقین رکھتے ہیں کہ کوئی زمانہ ایسا نہیں ہوگا جس میں کوئی عالم حق کو نہ جانتا ہو، وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے ذکر کردہ اسبابِ اختلافِ فقہا کے علاوہ اور بھی بہت سے اسباب ہیں، اس کے باوجود بھی میرا یقین ہے کہ کسی بھی چیز کے بارے میں ہر دور میں ایک عالم ایسا ہوتا ہے جس کی بات حق کے موافق ہوتی ہے اور وہ اس حکم کا عالم ہوتا ہے، دیگر پر وہ حکم مشتبہ ہوتا ہے اور وہ اس کو جاننے والے نہیں ہوتے۔ اس لیے بھی کہ یہ امت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی اور اہل باطل حق پر غالب نہیں آئیں گے۔ حق تمام زمانوں اور تمام شہروں میں غیر معمولی طور پر مہجور نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے مشتبہات کے بارے میں ارشاد فرمایا ''لَا یَعْلَمُهُنَّ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ ''یعنی ان مشتبہات کو بہت سارے لوگ نہیں جانتے۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کچھ افراد ایسے بھی ہوں گے جو ان کو جانتے ہوں گے اور وہ معاملہ صرف نہ جاننے والوں پر مشتبہ ہوگا۔ فی الحقیقت وہ معاملہ مشتبہ ہوگا ہی نہیں'' (۵۳)۔

۱۰۔ حدیث میں ذکر کردہ مقامات کی تعین

کتاب التیمم میں باب التیمم فی الحضر إذا لم یجد الماء کے تحت اپنے استدلال میں امام شافعی سے بطریق ابن عیینہ عن ابن عجلان عن نافع ایک حدیث لائے ہیں، جس میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما مقام جرف سے تشریف لائے، یہاں تک کہ مقام مربد میں تھے، آپ رضی اللہ عنہما نے تیمم کیا اور عصر کی نماز ادا کی۔ پھر آپ رضی اللہ عنہما مدینہ منورہ میں داخل ہوئے، سورج ابھی بلند تھا اور آپ رضی اللہ عنہما نے نماز نہیں دھرائی (۵۴)۔

حافظ علیہ الرحمہ مقام جرف اور مربد کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

''الجُرُف''جیم اور را کے ضمے کے ساتھ ہے، یہ ایک جگہ کا نام ہے، اس کے اور مدینہ منورہ کے درمیان تین میل کا فاصلہ ہے۔ مربد بھی مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے (۵۵)۔

اسی طرح ایک حدیث میں مرّ الظھران اور مقام الصفراوات کا ذکر ہے، اس کی تعیین میں لکھتے ہیں:

''مر الظھران'': مشہور ہے اور مکہ مکرمہ کے قریب واقع ہے اور اس کا نام ''بطن مرّ'' بھی ہے۔

''الصَّفُرَاوات'': یہ مر الظھران اور عُسفَان کے درمیان مرّ الظھران کے قریب واقع ہے (۵۶)۔

یہ فتح الباری لابن رجب کے دس ممیزات ہیں جن کو بڑی تتبع کے بعد رقم کیا گیا ہے، اس کے مکمل منہج واسلوب کے لیے بہت سے صفحات درکار ہوں گے۔ اس مختصر مقالے میں تمام محاسن وامتیازی پہلوؤں کا احاطہ کرنا چنداں آسان نہیں مگر اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ اس کے اہم اور

بنیادی ممیزات کا تذکرہ ہو جائے۔ ویسے بھی جب کوئی حدیث کا طالب علم فتح الباری کا مطلق نام سنتا ہے تو اس کا ذہن فوراً ابن حجر کی فتح الباری کی طرف جاتا ہے (۵۷)۔ ابن حجر کی فتح الباری کی قبولیت عامہ اور لازوال شہرت کی بنا پر ارباب علم وتحقیق نے ابن رجب حنبلی کی فتح الباری کی طرف اتنی توجہ نہیں کی جتنا کہ اس کا حق تھا۔ حالانکہ ابن رجب کا شمار ابن حجر کے اساتذہ میں ہوتا ہے۔

حواشی

۱۔ الزرکلی، خیر الدین، الاعلام قاموس تراجم لأ شهر الرجال و النساء من العرب والمستعربین و المستشرقین، ج۴،ص ۶۷۔
۲۔ عمر رضا کحالۃ، معجم المؤلفین تراجم مصنفی الکتب العربیة، مطبعۃ الترقی دمشق، ۱۳۷۷ھ-۱۹۵۸ء، ج۵،ص ۱۱۸۔
۳۔ ایضاً۔
۴۔ ابن حجر عسقلانی، شہاب الدین احمد بن علی، إنباء الغمر بانباء العمر، مطبوعہ قاہرۃ، ۱۳۸۹ھ-۱۹۶۹ھ، ج۱،ص ۴۶۰۔
۵۔ ابن حجر العسقلانی، الدرر الکامنة فی أعیان المائة الثامنة، دار الجیل بیروت، ج۲، ص ۳۲۱۔
۶۔ معجم المؤلفین، ج۵،ص ۱۱۸۔
۷۔ الأعلام، ج۴،ص ۶۷۔
۸۔ الدرر الکامنة، ج۲،ص ۳۲۱-۳۲۲۔
۹۔ إنباء الغمر، ج۱،ص ۴۶۰۔
۱۰۔ معجم المؤلفین، ج۵،ص ۱۱۸۔
۱۱۔ إنباء الغمر، ج۱،ص ۴۶۰۔
۱۲۔ معجم المؤلفین، ج۵،ص ۱۱۸۔

۱۳۔ إنباء الغمر، ج۱،ص۴۶۱۔

۱۴۔ الأعلام، ج۴،ص۶۷۔

۱۵۔ إنباء الغمر، ج۱،ص۴۶۰۔

۱۶۔ الأعلام، ج۴،ص۶۷۔

۱۷۔ معجم المؤلفین، ج۵،ص۱۱۸۔

۱۸۔ ایضاً۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ الأعلام، ج۴،ص۶۷۔

۲۱۔ الشوکانی، شیخ الاسلام محمد بن علی، البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع، دارالمعرفۃ بیروت، ج۱،ص۳۲۸۔

۲۲۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: فتح الباری لابن حجر، (۱/ ۲۷۶) و (۱۱/ ۳۴۰)

۲۳۔ السخاوی، شمس الدین محمد بن عبدالرحمٰن، الجواھر والدرر فی ترجمة شیخ الإسلام ابن حجر، دارابن حزم بیروت، ط:۱، ۱۴۱۹ھ-۱۹۹۹ء، ج۲،ص۶۷۵۔

۲۴۔ انباء الغمر، ج۱،ص۴۶۰۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ معجم المؤلفین، ج۵،ص۱۱۸۔

۲۷۔ انباء الغمر، ج۱،ص۴۶۱۔

۲۸۔ الدرر الکامنة، ج۲،ص۳۲۲۔

۲۹۔ البدر الطالع، ج۱،ص۳۲۸۔

۳۰۔ الدرر الکامنة، ج۲،ص۳۲۲۔

۳۱۔ ابن رجب حنبلی، زین الدین ابوالفرج عبدالرحمٰن بن شہاب الدین البغدادی الدمشقی، فتح الباری فی شرح صحیح البخاری، دارابن جوزی المملکة العربیة السعودیہ، ط:۱، ۱۴۱۷ھ-۱۹۹۶ء، ج۲،ص۳۱۰۔

۳۲۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: فتح الباری، ج۲، کتاب التیمم۔

نوٹ: ان حواشی میں جہاں بھی مطلق فتح الباری ذکر ہوگا اس سے مراد ابن رجب کی فتح الباری

ہے، عام طور پر مطلق فتح الباری کے ذکر سے ابن حجر کی فتح الباری مراد ہوتی ہے۔

۳۳ صحیح بخاری، کتاب مواقیت الصلوٰۃ، باب فضل العشاء، حدیث رقم ۵۶۷۔

۳۴۔ ایضاً۔

۳۵۔ ابن رجب حنبلی، فتح الباری، جلد۳، ص۱۸۲۔

۳۶ صحیح بخاری، کتاب الأذان، باب مایُحقن بالأذان من الدّماء، حدیث رقم ۶۱۰۔

۳۷۔ ابن رجب حنبلی، فتح الباری، ج ۳، ص۴۴۰۔

۳۸۔ صحیح بخاری، کتاب الایمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده، حدیث رقم۹۔

۳۹۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، حدیث رقم ۵۷۔

۴۰۔ ابن رجب، فتح الباری، ج۱، ص ۳۳۔

۴۱۔ ایضاً، ص۳۴۔

۴۲۔ ایضاً۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ایضاً، ج۱، ص۲۹۳ وج ۵، ص۴۵۱۔

۴۵۔ ایضاً، ج۶، ص۴۸۱۔

۴۶۔ ایضاً، ج۳، ص۳۰۱۔

۴۷۔ ایضاً، ج۶، ص۱۸۲۔

۴۸۔ ایضاً، ج۲، ص۲۹۰، ج۴، ص۳۶۹۔

۴۹۔ صحیح بخاری، کتاب الصلوٰۃ، باب قول اللّٰہ عزوجل ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ اِبْرَاهِيمَ﴾ حدیث رقم ۳۸۳۔

۵۰۔ ایضاً، کتاب الحج، باب من کبر فی نواحی الکعبة، حدیث رقم ۱۴۹۸۔

۵۱۔ فتح الباری، ج۲، ص۳۰۲۔

۵۲۔ ایضاً، ج۱، ص۲۱۲۔

۵۳۔ ایضاً، ج۱، ص۲۱۲-۲۱۳۔

۵۴۔ ایضاً، ج۲، ص۳۴۔

۵۵۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۴۔

۵۶۔ ایضاً، ج ۲، ص ۳۴۔

۵۷۔ راقم نے ایک تفصیلی مضمون حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ اور ان کی فتح الباری پر بھی تحریر کیا ہے، تفصیل کے لیے دیکھیے:

سعید شیخ، محمد، فتح الباری۔منہج واسلوب، مشمولہ ''القلم''، مدیر: ڈاکٹر حمید اللہ عبد القادر، ناشر: ادارہ علوم اسلامیہ جامعہ پنجاب لاہور، جلد ۱۱، شمارہ ۱۱، ص ۲۵-۶۶۔

سیرت طیبہ، اسوۂ حسنہ اور تعلیمات نبوی ﷺ کا نقیب، علمی و تحقیقی مجلّہ

شش ماہی **السیرہ** عالمی

مدیر

سید فضل الرحمٰن

بیسواں شمارہ شائع ہو گیا ہے

☆

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز

اے۔۴/۱۷، ناظم آباد نمبر ۴۔ کراچی پوسٹ کوڈ ۷۴۶۰۰، فون: ۶۶۸۴۷۹۰